۳۱

احمدی اس نعمت کی قدر کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے سپرد کی ہے

دوست اپنی اولاد کی اور دوسرے نوجوانوں کی اصلاح کریں

(فرمودہ ۲۱؍اگست ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

انسان کی پیدائش جس اعلیٰ مقصد کیلئے ہوئی ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا میں بہت سے فلاسفر اور بہت سے تعلیم یافتہ انسان یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا انسان کی پیدائش کے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے اور بنی نوع انسان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے وہ کام لے لیا ہے جسے مدنظر رکھتے ہوئے اس نے انسان کو پیدا کیا تھا؟ وہ مقصد جسے خدا تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں مدنظر رکھا ہے یہ ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [۱] یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے یا اپنا عبد بنانے کیلئے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا واقعہ میں انسان اس مقصد کو پورا کر رہا ہے اور کیا واقعہ میں اس نے اس قِسم کی ترقی کی ہے کہ خدا کا عبد کہلانے کا مستحق ہو؟ اور پھر ان کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ اور اس لئے وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر انسان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو کیوں اسے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اس سوال کا جواب دینے کیلئے آتے ہیں اور دنیا میں نیکی کی ایسی رَو چلاتے ہیں

کہ جسے دیکھ کر دشمن کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ مقصد پورا ہو گیا ہے اور اس دن کی آمد کیلئے اگر ہزار دن بھی انتظار کرنا پڑے تو گراں نہیں ہوتا۔

پس انبیاء کا زمانہ اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انبیاء کے زمانہ کو لیلۃ القدر قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ[۲] یعنی وہ ایک رات ہزار مہینوں سے اچھی ہے۔ گویا ایک صدی کے انسان بھی اس ایک رات کیلئے اگر قربان کر دیئے جائیں تو یہ قربانی کم ہوگی بہ مقابلہ اُس نعمت کے جو انبیاء کے ذریعہ دنیا کو حاصل ہوتی ہے۔ اس میں مؤمنوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انہیں نبوت کے زمانہ کی قدر کرنی چاہیئے۔

کچھ عرصہ ہؤا میں نے کچھ خطبات عملی اصلاح کے متعلق پڑھے تھے اور جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ عظیم الشان مقصد جس کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی اسے پورا کرنے کیلئے ہمیں بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اعتقادی رنگ میں ہم نے دنیا پر اپنا سکہ جمالیا ہے مگر عملی رنگ میں اسلام کا سکہ جمانے کی ابھی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر مخالفوں پر حقیقی اثر نہیں ہو سکتا۔ موٹی مثال عملی رنگ میں سچائی کی ہے یہ ایسی چیز ہے جسے دشمن بھی محسوس کرتا ہے۔ دل کا اخلاص اور ایمان دشمن کو نظر نہیں آتا مگر سچائی کو وہ دیکھ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ خاندانی جائداد کے متعلق ایک مقدمہ تھا اسی مکان کے چبوترے کے متعلق جس میں اب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں اس چبوترے کی زمین دراصل ہمارے خاندان کی تھی مگر اس پر دیرینہ قبضہ اس گھر کے مالکوں کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی صاحب نے اس کے حاصل کرنے کیلئے مقدمہ چلایا اور جیسا کہ دنیا داروں کا قاعدہ ہے کہ جب زمین وغیرہ کے متعلق کوئی مقدمہ ہو اور وہ اپنا حق اس پر سمجھتے ہوں تو اس کے حاصل کرنے کیلئے جھوٹی سچی گواہیاں مہیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی ملکیت ثابت کرنے کیلئے جھوٹی سچی گواہیاں دلائیں۔ اس پر اس گھر کے مالکوں نے یہ امر پیش کر دیا کہ ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ان کے چھوٹے بھائی کو بُلا کر گواہی لی جائے اور جو وہ کہہ دیں ہمیں منظور ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور

جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ان لوگوں کو اس رستہ سے آتے جاتے اور اس پر بیٹھتے عرصہ سے دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ کے بڑے بھائی صاحب نے اسے اپنی ذلّت محسوس کیا اور بہت ناراض ہوئے مگر آپ نے فرمایا کہ جب واقعہ یہ ہے تو میں کس طرح انکار کرسکتا تھا۔

اسی طرح آپ کے خلاف ایک مقدمہ چلایا گیا کہ آپ نے ڈاک خانہ کو دھوکا دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر کوئی شخص پیکٹ میں کوئی چٹھی ڈال کر بھیج دے تو سمجھا جاتا تھا کہ اس نے ڈاک خانہ کو دھوکا دیا ہے اور ایسا کرنا فوجداری جُرم قرار دیا جاتا تھا جس کی سزا قید کی صورت میں بھی دی جاسکتی تھی۔ اب وہ قانون منسوخ ہو چکا ہے اب زیادہ سے زیادہ ایسے پیکٹ کو بیرنگ کر دیا جاتا ہے۔ اتفاقاً آپ نے ایک پیکٹ مضمون کا اشاعت کیلئے ایک اخبار کو بھیجا اور اس قانون کے منشاء کو نہ سمجھتے ہوئے اس میں ایک خط بھی لکھ کر ڈال دیا جو اس اشتہار کے ہی متعلق تھا اور جس میں اسے چھاپنے وغیرہ کے متعلق ہدایات تھیں۔ پریس والے غالباً عیسائی تھے اُنہوں نے اِس کی رپورٹ کر دی اور آپ پر مقدمہ چلا دیا گیا۔ آپ کے وکیل نے کہا کہ پیش کرنے والوں کی مخالفت تو واضح ہے اس لئے ان کی گواہیوں کی کوئی حقیقت نہیں اگر آپ انکار کر دیں تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اُس زمانہ میں اکثر مقدمات میں آپ کی طرف سے شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپوری پیروی کیا کرتے تھے اور آپ کی پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر دعویٰ کے بعد بھی گو وہ احمدی نہ تھے آپ پر بہت حُسنِ ظن رکھتے تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ اور کوئی گواہ تو ہے نہیں پھر وہ خط اسی مضمون کے متعلق ہے اور اسے اشتہار کا حصہ ہی کہا جاسکتا ہے اس لئے آپ بغیر جھوٹ کا ارتکاب کئے کہہ سکتے ہیں کہ میں نے تو اشتہار ہی بھیجا تھا خط کوئی نہیں بھیجا۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا جو بات میں نے کی ہے اس کا انکار کس طرح کرسکتا ہوں۔ چنانچہ جب آپ پیش ہوئے اور عدالت نے دریافت کیا کہ آپ نے کوئی خط مضمون میں ڈالا تھا تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس راستبازی کا دوسروں پر تو اثر ہونا تھا ہی خود عدالت پر ہی اس قدر اثر ہوا کہ اس نے آپ کو بَری کر دیا اور کہا کہ ایک اصطلاحی جُرم کیلئے ایسے راستباز آدمی کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

اسی طرح کئی واقعات مقدمات میں آپ کو ایسے پیش آتے رہے جن کی وجہ سے اِن وکلاء کے دلوں میں جن کو ان مقدمات سے تعلق رہا کرتا تھا آپ کی بہت عزت تھی۔ چنانچہ ایک مقدمہ میں آپ نے شیخ احمد علی صاحب کو وکیل نہ کیا تو انہوں نے لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس مقدمہ میں مجھے وکیل نہیں کیا اس لئے نہیں کہ میں کچھ لینا چاہتا تھا بلکہ اس لئے کہ مجھے خدمت کا موقع نہیں مل سکا۔ تو سچائی اور راستبازی ایک ایسی چیز ہے کہ دشمن بھی اس سے اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیخ علی احمد صاحب آخر تک غیر احمدی رہے اور انہوں نے بیعت نہیں کی مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہری رنگ میں آپ کا اخلاص احمدیوں سے کسی طرح کم نہ تھا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ کی سچائی کو ملاحظہ کیا تھا اور صرف شیخ علی احمد صاحب پر ہی کیا موقوف ہے جن جن کو بھی آپ سے ملنے کا اتفاق ہؤا ان کی یہی حالت تھی۔ جب جہلم میں مولوی کرم دین صاحب نے آپ پر مقدمہ کیا تو ایک ہندو وکیل لالہ بھیم سین صاحب کی چٹھی آئی کہ میرا لڑکا بیرسٹری پاس کر کے آیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہو اس لئے آپ اس کو اجازت دیں کہ وہ آپ کی طرف سے پیش ہو۔ جس لڑکے کے متعلق انہوں نے یہ خط لکھا تھا وہ اب تک زندہ ہیں۔ پہلے لاء کالج کے پرنسپل تھے پھر جموں ہائیکورٹ کے چیف جج مقرر ہوئے اور اب وہاں سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے الحاح سے یہ درخواست اِس واسطے کی کہ اُن کو سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کچھ عرصہ رہنے کا اتفاق ہؤا تھا اور وہ آپ کی سچائی کو دیکھ چکے تھے۔ پس معلوم ہؤا کہ سچائی ایک اعلیٰ پایہ کی چیز ہے جسے دیکھ کر دشمن کو بھی متأثر ہونا پڑتا ہے۔ سچائی ایک ایسی چیز ہے جو اپنوں پر ہی نہیں بلکہ غیروں پر بھی اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ انبیاء دنیا میں آ کر راستی اور سچائی کو قائم کرتے ہیں اور ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ دیکھنے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور نقل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دنیا میں آ کر کوئی توپیں اور مشین گنیں ایجاد نہیں کی تھیں، بینک جاری نہیں کئے تھے یا صنعت وحرفت کی مشینیں ایجاد نہیں کی تھیں پھر وہ کیا چیز تھی جو آپ نے دنیا کو دی اور جس کی حفاظت آپ کے ماننے والوں کے ذمہ تھی۔ وہ سچائی کی روح اور اخلاق فاضلہ تھے۔ یہ چیز پہلے مفقود تھی آپ نے اسے کمایا اور پھر یہ خزانہ دنیا کو دیا اور صحابہؓ اور ان کی اولادوں اور پھر ان کی

اولادوں کے ذمّہ یہی کام تھا کہ ان چیزوں کی حفاظت کریں۔

رسول کریم ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو چونکہ عرب کے لوگ وحی اور الہام سے ناآشنا تھے۔آپ یہ حکم سن کر کہ آپ ساری دنیا کو خدا تعالیٰ کا کلام پہنچائیں کچھ گھبرائے۔یعنی اس لئے کہ آپ اس عظیم الشان ذمہ واری کو کس طرح پورا کریں گے اور اسی گھبراہٹ میں آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے۔شدّتِ جذبات سے آپ اُس وقت سردی محسوس کر رہے تھے حتّٰی کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو۔حضرت خدیجہؓ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو آپ نے انہیں سب واقعہ سنایا۔اِس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔خدا کی قَسم! خدا آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں۔اور ان خوبیوں میں سے ایک یہ بتائی کہ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ [۳] یعنی جو اخلاق دنیا سے اٹھ گئے تھے آپ نے اپنے وجود میں ان کو دوبارہ پیدا کیا ہے اور بنی نوع انسان کی اس کھوئی ہوئی متاع کو دوبارہ تلاش کیا ہے پھر بھلا خدا آپ جیسے وجود کو کس طرح ضائع کرسکتا ہے۔تو انبیاء کی بعثت کی یہی غرض ہوتی ہے اور مؤمنوں کے سپرد یہی امانت ہوتی ہے جس کی حفاظت کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔

محبت کی وجہ سے انبیاء کا وجود مؤمنوں کو بے شک بہت پیارا ہوتا ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے انبیاء کی عظمت کی وجہ وہی نور ہے جسے دنیا تک پہنچانے کیلئے خدا تعالیٰ ان کو مبعوث کرتا ہے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا وہ پیغام ہی جو وہ لاتے ہیں بڑا بناتا ہے۔پس جب نبی کے اَتباع اس وجود کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں تو اس پیغام کی حفاظت کیلئے کیا کچھ نہ کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔

رسول کریم ﷺ کی جان کی حفاظت کیلئے صحابہ کرام نے قربانیاں کیں وہ واقعات پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان کی محبت دیکھ کر آج بھی دل میں محبت کی لہر پیدا ہوجاتی ہے۔احد کی جنگ میں ایک موقع ایسا آیا کہ صرف ایک صحابی رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہ گئے اور دشمن بے تحاشا تیر اور پتھر پھینک رہے تھے۔اُس صحابی نے اپنا ہاتھ حضور کے

چہرہ مبارک کی طرف کر دیا اور اس پر اتنے تیر اور پتھر لگے کہ وہ ہاتھ ہمیشہ کیلئے بیکار ہو گیا۔ ایک دفعہ اُس صحابی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے اس ہاتھ کو کیا ہؤا؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہؤا تھا اور میں نے یہ ہاتھ حضور علیہ السلام کے چہرہ کے آگے کر دیا اور اس پر اتنے تیر اور پتھر کھائے کہ یہ ہمیشہ کیلئے شل ہو گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا آپ کے منہ سے اُف نہیں نکلتی تھی؟ انہوں نے کیا لطیف جواب دیا کہنے لگے تکلیف تو اتنی تھی کہ اُف نکلنا چاہتی تھی مگر میں نکلنے نہیں دیتا تھا کیونکہ اگر اُف کرتا تو ہاتھ ہل جاتا کوئی تیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جاتا۔ تو تم اس قربانی کا اندازہ کرو اور سوچو کہ تم میں سے آج اگر کسی کی انگلی کو زخم آ جائے تو وہ کتنا شور مچاتا ہے مگر اس صحابی نے ہاتھ پر اتنے تیر کھائے کہ وہ ہمیشہ کیلئے خشک ہو گیا۔

ایک اور صحابی کا بھی اسی قسم کا واقعہ ہے یہ بھی احد کے موقع کا ہے احد کی جنگ میں جب بعض صحابہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونے کے بعد پھر اکٹھے ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! کون کون شہید اور کون کون زخمی ہؤا ہے؟ اس پر بعض صحابہؓ میدانِ جنگ کا جائزہ لینے کیلئے گئے۔ ایک صحابی نے دیکھا کہ ایک انصاری میدان میں زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہؤا کہ ان کے بازو اور ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں اور اُن کی زندگی کی آخری گھڑی قریب آ رہی ہے۔ اس پر وہ صحابی ان کے نزدیک ہؤا اور ان سے پوچھا کہ اپنے عزیزوں کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو بتادیں میں پہنچا دوں گا۔ اُس زخمی انصاری نے کہا کہ میں انتظار میں ہی تھا کہ کوئی دوست اِدھر سے گزرے تو میں اُسے اپنے عزیزوں کے نام ایک پیغام دوں۔ سو تم میرے عزیزوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیمتی امانت ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اپنی جانوں سے ان کی حفاظت کی اور اب کہ ہم رخصت ہو رہے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ وہ ہم سے بھی بڑھ کر قربانیاں کر کے اس قیمتی امانت کی حفاظت کریں گے[۴]۔

غور کرو۔ موت کے وقت جبکہ وہ جانتے تھے کہ بیوی بچوں کو کوئی پیغام دینے کیلئے اب ان کیلئے کوئی اور وقت نہیں۔ ایسے وقت میں جب انسان کو جائداد کے تصفیہ اور لین دین کے انفصال کا خیال ہوتا ہے اور جب لوگ اپنے پسماندگان کی بہتری کی فکر سے مشوش ہو رہے ہوتے ہیں اُس وقت بھی اس صحابی کو یہی خیال آیا کہ میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں جان دے

رہا ہوں اور تم سے امید کرتا ہوں کہ تم بھی اسی راہ پر گامزن رہو گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی جان کے مقابلہ میں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرو گے۔ پس جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی ذات کیلئے یہ قربانیاں کیں وہ اس پیغام کیلئے جو آپ لائے کیا کچھ قربانیاں نہ کر سکتے ہوں گے اور انہوں نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

صحابہ نے اس بارہ میں جو کچھ کیا اس کی مثال کے طور پر میں رسول کریم ﷺ کی وفات کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ جب آپ کی وفات کی خبر صحابہ میں مشہور ہوئی تو ان پر شدید محبت کی وجہ سے گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حتّٰی کہ بعض صحابہ نے یہ خیال کیا کہ یہ خبر ہی غلط ہے کیونکہ ابھی آپ کی وفات کا وقت نہیں آیا کیونکہ ابھی بعض منافق مسلمانوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اِسی خیال میں مبتلاء ہوگئے اور تلوار لے کر کھڑے ہوگئے کہ جو کہے گا آپ فوت ہوگئے ہیں مَیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا [۵]۔ آپ آسمان پر گئے ہیں پھر دوبارہ تشریف لاکر منافقوں کو ماریں گے اور پھر وفات پائیں گے۔ بہت سے صحابہ بھی آپ کے ساتھ شامل ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم کسی کو یہ نہیں کہنے دیں گے کہ آپ وفات پاگئے ہیں۔ بظاہر یہ محبت کا اظہار تھا مگر دراصل اُس تعلیم کے خلاف تھا جو آنحضرت ﷺ لائے کیونکہ قرآن کریم میں صاف موجود ہے اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ [۶] یعنی کیا اگر رسول کریم ﷺ فوت ہوجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا اے مسلمانو! تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ بعض صحابہ اس رَو میں بہنے سے بچ گئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف جو اُس وقت اتفاقاً مدینہ سے چند میل باہر گئے ہوئے تھے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو ان حالات کی خبر دے اور بلا کر بھی لائے۔ آپ کو جب یہ خبر ملی تو آپ جلد واپس مدینہ تشریف لائے اور سیدھے اُس حجرہ میں چلے گئے جس میں آپؐ کا جسمِ اطہر رکھا ہؤا تھا اور آپ نے آپؐ کے چہرہ سے چادر اٹھائی اور دیکھا کہ واقعہ میں آپؐ فوت ہوچکے ہیں۔ پھر جھکے اور پیشانی پر بوسہ دیا آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور جسمِ اطہر کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں نہیں لائے گا[۷] یعنی ایک تو ظاہری موت اور دوسرے یہ کہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم مٹ جائے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے جہاں صحابہ جمع تھے اور جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار ہاتھ میں لے کر بڑے جوش میں یہ

اعلان کررہے تھے کہ جو کہے گا آپ فوت ہوگئے ہیں وہ منافق ہے اور میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا اور بڑے زور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چُپ رہو مجھے بات کرنے دو اور پھر یہ آیت پڑھی مَامُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَإِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ صرف خدا کے رسول ہیں آپ سے قبل جتنے رسول آئے وہ سب فوت ہو چکے ہیں اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے دین کو چھوڑ دو گے اور سمجھو گے کہ تمہارا دین ناقص ہے؟ پھر نہایت جوش سے فرمایا کہ اے لوگو مَنْ کَانَ یَعْبُدُاللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش ہو جائے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرسکتا۔ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ [8] لیکن جو محمد رسول اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی مجھے ایسا معلوم ہؤا گویا آسمان پھٹ گیا ہے میری ٹانگیں لڑکھڑا گئیں اور پاؤں کی طاقت سلب ہوگئی اور میں بے اختیار ہوکر زمین پر گر پڑا [9]۔ اُس وقت مجھے معلوم ہؤا کہ واقعی آنحضرت ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔

دیکھو! حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت ﷺ سے کتنی محبت تھی کہ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں تو بے اختیار ہو کر آپ کے جسمِ مبارک کو بوسہ دیا، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے مگر دوسری طرف اُس سچائی سے کتنی محبت تھی جو آپ لائے تھے کہ حضرت عمرؓ جیسا بہادر تلوار لے کر کھڑا ہے کہ جو کہے گا آپ فوت ہو گئے ہیں میں اسے جان سے ماردوں گا اور بہت سے صحابہ ان کے ہم خیال ہیں مگر باوجود اس کے آپ نڈر ہو کر کہتے ہیں کہ جو کہتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں وہ گویا آپ کو خدا سمجھتا ہے میں اسے بتاتا ہوں کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ مگر وہ خدا جس کی آپ پرستش کرانے آئے تھے وہ زندہ ہے۔ یہ سچائی کا اثر تھا جو محمد ﷺ نے صحابہ کے دلوں میں پیدا کر دی تھی کہ وہ صحابہ جو ننگی تلواریں لے کر کھڑے تھے انہوں نے یہ بات سنتے ہی سر جھکا دیئے اور تسلیم کر لیا کہ ٹھیک ہے آپ واقعہ میں فوت ہو گئے ہیں۔

بعض نادان شاید کہہ دیں اور ایک قوم کہتی بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو رسول کریم ﷺ سے

کامل محبت نہ تھی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت ﷺ کو دفن کرنے کا فکر نہ ہؤا بلکہ آپ خلیفہ کے انتخاب میں مشغول ہوگئے مگر یہ معترض غلطی پر ہیں حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ کیا وہ اس تعلیم کی حفاظت کیلئے کیا جو آنحضرت ﷺ لائے تھے ورنہ حضرت ابوبکرؓ کو جو بے مثل محبت رسول کریم ﷺ کے وجود سے تھی وہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا کہ شام کے بعض مخالفین کو جا کر ان کی شرارتوں کی سزا دے۔ ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہؤا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور اکثر صحابہ نے اتفاق کر کے آپ سے عرض کیا کہ اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے کیونکہ چاروں طرف سے عرب میں بغاوت کی خبریں آرہی تھیں اور مکہ، مدینہ اور صرف ایک اور گاؤں تھا جس میں باجماعت نماز ہوتی تھی کہ لوگوں نے یہ مطالبہ شروع کر دیا تھا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ پس صحابہ نے مشورہ کر کے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا کہ وہ کچھ عرصہ کیلئے اس لشکر کو روک لیں کیونکہ بوڑھے بوڑھے لوگ یا بچے ہی اگر مدینہ میں رہ گئے تو وہ باغی لشکروں کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے ان کو جواب دیا کہ کیا ابوقحافہ کے بیٹے کی یہ طاقت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے لشکر کو روک لے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ آپ کی وفات کے بعد میں پہلا کام یہی کروں کہ جو لشکر آپ نے بھیجنا تجویز کیا تھا اسے روک لوں؟ خدا کی قسم! اگر باغی مدینہ میں داخل بھی ہو جائیں اور ہماری عورتوں کی لاشوں کو کُتّے گھسیٹتے پھریں جب بھی وہ لشکر ضرور جائے گا[۱۰]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو آپ سے کتنا عشق تھا مگر چونکہ آپ صدیقیت کے مقام پر تھے اس لئے جانتے تھے کہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کی عظمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ پس ان لوگوں نے خداتعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کو لیا اور اسے قائم رکھا حتّٰی کہ دشمن بھی اقرار کرتے ہیں کہ اسے ذرّہ بھر بھی نہیں بدلا گیا۔ عیسائی، ہندو، یہودی غرضیکہ سب مخالف قومیں تسلیم کرتی ہیں کہ قرآن کریم کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلا۔ تبدیلی ابتدائی زمانہ میں ہی ہوسکتی تھی جب دوسری قوموں کی نظریں نہ پڑتی تھیں مگر ان لوگوں نے اپنی جانوں سے اس تعلیم کی حفاظت کی اور اس میں ایک شوشہ کا بھی تغیر نہ ہونے دیا نہ صرف لفظی بلکہ معنوی طور پر بھی۔

اب اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ تا آپ

اخلاقِ فاضلہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق دلوں میں قائم کریں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اجراء کریں اور ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم نے ان چیزوں کی اسی طرح حفاظت کرنی ہے جس طرح صحابہؓ نے کی تھی ہم میں اور دوسری قوموں میں ایسا امتیاز ہونا چاہیئے کہ پتہ لگ سکے کہ ہم نے اس امانت کو قائم رکھا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک جماعت ایسی موجود تھی مگر سوال یہ ہے کہ کیا آئندہ نسلوں میں بھی یہی جذبہ موجود ہے؟ کیا کوئی عقلمند یہ پسند کر سکتا ہے کہ ایک اچھی چیز اسے تو ملے مگر اس کی اولاد اس سے محروم رہے؟ پھر تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی قدر و قیمت جانتا ہے وہ پسند کرے گا کہ وہ اس کے ورثاء کو نہ ملے لیکن اس کی زمین اور اس کے مکانات انہیں مل جائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ [۱۱] دُنیوی زندگی لہو ولعب کی طرح ہے یہ سب کھیل تماشہ کی چیزیں ہیں یہ ایسی ہی ہیں جس طرح فٹ بال، کرکٹ یا ہاکی ہوتی ہے۔ پھر کیا کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ حکومت اس کی زمین، مکان اور جائداد تو ضبط کر لے مگر گلی ڈنڈا اُس کے بیٹے کو دے دے یا کوئی پھٹا پُرانا فٹ بال یا ٹُوٹا ہؤا ٹینس ریکٹ یا ہاکی کی سٹک اُس کے بیٹوں کو دے دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیوی چیزیں لہو ولعب ہیں اور دین و دنیا میں وہی نسبت ہے جو ایک حقیقی چیز کو کھیل تماشہ سے ہوتی ہے اور کوئی شخص یہ کب پسند کر سکتا ہے کہ قیمتی ورثہ تو اُس کی اولاد کو نہ ملے اور لہو ولعب کی چیزیں مل جائیں۔ لیکن کیا ہم میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو عملاً ایسا کرتے ہیں۔ جب ان کا بیٹا جھوٹ بولے، چوری کرے یا کوئی اور جُرم کرے تو وہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میں متواتر دیکھ رہا ہوں کہ بعض لڑکے قادیان میں ایسی شرارتیں کرتے ہیں کہ احمدیت تو الگ رہی وہ انسانیت کے بھی خلاف ہوتی ہیں مگر ان کے ماں باپ چوری چھپے ان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوّل تو وہ اس وجہ سے مجرم ہیں کہ انہوں نے اولاد کو دینی تعلیم سے محروم رکھا اگر ان کے نزدیک نیکی کی کوئی قیمت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس سے اپنی اولادوں کو محروم رکھتے اور اگر اس میں کوتاہی کی تھی تو پھر مجرم کی اعانت سے ہی باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [۱۲] نیکی اور تقویٰ میں ضرور تعاون کرو مگر بدی اور

عدوان میں تعاون نہ کرو۔ پہلا جُرم تو انہوں نے یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا[۱۳] اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور دوسرا جُرم یہ کرتے ہیں کہ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کے حکم الٰہی کو توڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو دین کو نعمت قرار دیتا ہے مگر وہ جماعت جو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی دعویدار ہے اس میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اوّل تو اپنی اولادوں کو دین سے محروم رکھتے ہیں اور پھر جب وہ شرارت کریں تو ان کی مدد کرتے ہیں حالانکہ وہ بعض ایسے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں کہ جن پر شرافت اور انسانیت بھی چِلّا اُٹھتی ہے چہ جائیکہ احمدیت اور ایمان ان کے متحمل ہوسکیں۔ مگر ایسے مجرموں کے والدین، بھائی، رشتہ دار بلکہ دوست ان کی مدد کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ایسا کرنے سے ایمان کہاں باقی رہ جاتا ہے ایسے آدمی کا دین تو آسمان پر اُڑ جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھو ایک دفعہ بعض صحابہ نے آپ کے پاس کسی مجرم کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو وہ بھی سزا سے نہیں بچ سکے گی[۱۴]۔ تو تقویٰ اور طہارت ایسی نعمت ہے کہ اس کے حصول کیلئے انسان کو کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہمیں جو دولت ملی ہے وہ اعلیٰ اخلاق ہی ہیں اور اپنی اولادوں کو ان کا وارث بنانا ہمارا فرض ہے اور اگر غفلت کی وجہ سے اس میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو مؤمن کا فرض ہے کہ وہ تعاون عَلَی الْاِثْمِ نہ دکھائے بلکہ اُسی وقت اس سے علیحدہ ہوجائے جس نے جُرم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے اس کی ایسی مثالیں دکھائی ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے۔

سیّد حامد شاہ صاحب مرحوم بہت مخلص احمدی تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کو اپنے بارہ حواریوں میں سے قرار دیا تھا چنانچہ میرے سامنے جب اپنے حواریوں کے نام گنے تو ان کا بھی نام لیا اور پھر ان کے نیک انجام نے ان کے درجہ کی بلندی پر مُہر بھی لگادی۔ ایک دفعہ ان کے لڑکے کے ہاتھ سے ایک شخص قتل ہوگیا مگر یہ قتل ایسے حالات میں ہوا کہ عوام کی ہمدردی ان کے لڑکے کے ساتھ تھی۔ دراصل مقتول کی زیادتی تھی جس پر لڑائی ہوگئی ان کے لڑکے نے اُسے مُکّہ مارا اور وہ مرگیا۔ اس وقت سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر جو انگریز تھا وہ ایسے افسروں میں سے تھا جو جرم

ثابت ہو یا نہ ہو سزا ضرور دینا چاہتے ہیں تا رُعب قائم ہو۔ اسے خیال آیا کہ میر حامد شاہ صاحب میرے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ ہیں اگر میں ان کے لڑکے کو سزا دوں گا تو میرے انصاف کی دھوم مچ جائے گی اس لئے شاہ صاحب کو بلایا اور پوچھا کہ کیا واقعی آپ کے لڑکے نے قتل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں تو وہاں موجود نہ تھا لیکن سنا ہے کہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ اسے بلا کر کہہ دیں کہ وہ اقرار کرلے تا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ آپ نے اپنے لڑکے کو بلا کر پوچھا کہ تم نے اس شخص کو مارا ہے؟ اُس نے کہا ہاں مارا ہے۔ آپ نے فرمایا پھر سچی بات کا اقرار کرلو۔ لوگوں نے کہا کہ کیوں اپنے جوان لڑکے کو پھانسی پر لٹکوانا چاہتے ہو مگر آپ نے فرمایا کہ اِس دنیا کی سزا سے اگلی دنیا کی سزا زیادہ سخت ہے اور اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ اقرار کرلے۔ خدا کی قدرت اس نے اقرار تو کرلیا مگر وہ لڑکا کرکٹ کا کھلاڑی تھا اور وہ مجسٹریٹ جس کے پاس مقدمہ تھا وہ بھی کرکٹ کا کھیلنے والا تھا اسے کرکٹ کلب میں معاملہ کی حقیقت معلوم ہوگئی اور چونکہ قانون ایسا ہے کہ اگر مجسٹریٹ کو کسی بات کا یقین ہو جائے تو ملزم سے کچھ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی اُس نے خود ہی پولیس کے گواہوں پر ایسی جرح کی کہ اس لڑکے کی بریت ثابت ہوگئی اور اس نے اس سے کچھ پوچھے بغیر ہی اسے رہا کر دیا۔

اِسی قسم کا ایک مقدمہ پچھلے دنوں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے بھائی پر ہؤا۔ چوہدری صاحب اس وقت ولایت میں تھے انہوں نے اپنے بھائی کو لکھا کہ یہ ایمان کی آزمائش کا وقت ہے اگر تم سے قصور ہؤا ہے تو میں تمہارا بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اِس دنیا کی سزا سے اگلے جہان کی سزا زیادہ سخت ہے اس لئے اسے برداشت کرلو اور سچی بات کہہ دو۔ تو جو بات ایک شخص کرسکتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ دوسرا نہ کرسکے صرف اخلاص اور ایمان کی ضرورت ہے۔ سیالکوٹ کے رہنے والے ہمارے ایک دوست ہیں جو ابھی زندہ ہیں احمدی ہونے کے بعد جب انہیں معلوم ہؤا کہ رشوت لینا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے تو انہوں نے تمام ان لوگوں کے گھروں میں جا جا کر جن سے وہ رشوتیں لے چکے تھے واپس کیں۔ اس سے وہ بہت زیر بار بھی ہوگئے مگر اِس کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ تو ہماری جماعت میں ہر قسم کے اعمال کے لحاظ سے ایسے نمونے ملتے ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ صحابہ کے نمونے ہیں لیکن ہمیں ان پر خوش

نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ ساری جماعت ایسی ہو جائے ایسے لوگوں سے صرف اتنا فائدہ ہوسکتا ہے کہ ان کی مثال دوسروں کے سامنے پیش کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کیا ان کو مال کی ضرورت نہیں، ان کو اپنے بیوی بچوں سے محبت نہیں، پھر اگر وہ خدا کیلئے قربانی کر سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں کر سکتے۔

پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس امانت کی قدر کریں جو ان کے سپرد کی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر ہمیں جائدادیں نہیں دیں، حکومتیں نہیں دیں، کوئی ایجادیں نہیں کیں، سامانِ تعیّش مہیا نہیں کئے، صرف ایک سچائی ہے جو ہمیں دی ہے اور اگر وہ بھی جاتی رہے تو کس قدر بد قسمتی ہوگی اور ہم اس فضل کو اپنے ہاتھ سے پھینک دینے والے ہوں گے جو تیرہ سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہم کو اسلام دیا، اخلاقِ فاضلہ دیئے اور نمونہ سے بتا دیا کہ ان پر عمل ہوسکتا ہے۔ پہلے خیال تھا کہ ان چیزوں پر عمل محال ہے مگر آپؑ نے بتا دیا کہ عمل ہوسکتا ہے پھر بھی کئی ہیں جو فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ ہم میں سے کئی ہیں جو جوش میں آ کر مخالف کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں مگر آپ پر قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ بنایا گیا اس وقت اس ضلع کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن ڈگلس تھے جو اِس وقت بھی زندہ ہیں اور اب کرنل ڈگلس ہیں۔ وہ اس قدر متعصب تھے کہ جب اِس ضلع میں آئے تو کہا کہ اِس ضلع کے رہنے والا ایک شخص مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اب تک کیوں اسے سزا نہیں دی گئی؟ ان کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہؤا۔ ایک انگریز کہلانے والے شخص نے جو انگریز مشہور تھا مگر دراصل انگریز نہیں پٹھان تھا یہ مقدمہ کیا تھا۔ اس کے انگریز کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ پٹھان ہونے کے سبب سے اُس کا رنگ انگریزوں کی طرح گورا تھا اور پھر ایک انگریز نے اسے بیٹا بنایا ہؤا تھا اس لئے لوگ اُسے انگریز سمجھتے تھے۔ اُس کا نام مارٹن کلارک تھا ان کا بیٹا یا بھائی ابی سینا کی سابق حکومت میں وزیر اعظم تھا۔ آپ میں سے کئی ایک نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ مسٹر مارٹن نے یہ کہا۔ یہ مارٹن اسی مارٹن کلارک کا بیٹا ہے یا بھائی۔ رشتہ کی تعیین میں اِس وقت نہیں کرسکتا۔ ان مسٹر مارٹن کلارک نے عدالت میں یہ دعویٰ کیا کہ میرے قتل کیلئے مرزا صاحب نے ایک آدمی بھیجا ہے مسلمانوں میں علماء کہلانے والے بھی اس کے ساتھ اس شور میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب تو اِس

مقدمہ میں آپ کے خلاف شہادت دینے کیلئے بھی آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ ایک مولوی مقابل پر پیش ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا لیکن باوجود اس کے کہ الہام میں اس کی ذلت کے متعلق بتا دیا گیا تھا اور الہام کے پورا کرنے کیلئے ظاہری طور پر جائز کوشش کرنا ضروری ہوتا ہے مگر مجھے خود مولوی فضل دین صاحب نے جو لاہور کے ایک وکیل اور اس مقدمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پیروی کررہے تھے سنایا کہ جب میں نے ایک سوال کرنا چاہا جس سے مولوی محمد حسین کی ذلّت ہوتی تھی تو آپ نے مجھے اس سوال کے پیش کرنے سے منع کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ مولوی محمد حسین کی والدہ کنچنی تھی اور مقدمات میں گواہوں پر ایسے سوالات کئے جاتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہو کہ وہ بے حیثیت آدمی ہے۔ مولوی فضل دین صاحب نے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وہ سوالات سنائے جو وہ مولوی محمد حسین صاحب پر کرنا چاہتے تھے تو ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ تمہاری ماں کون تھی؟ جسے سن کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسے سوالات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مولوی فضل دین صاحب نے کہا کہ اس سوال سے آپ کے خلاف مقدمہ کمزور ہو جائے گا اور اگر یہ نہ پوچھا جائے تو آپ کو مشکل پیش آئے گی اس لئے کہ گواہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک لیڈر ہونے کی حیثیت سے پیش کررہا ہے اور ضروری ہے کہ ثابت کیا جائے کہ وہ ایسا معزز نہیں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ہم اس سوال کی اجازت نہیں دے سکتے۔ مولوی فضل دین احمدی نہیں تھے بلکہ حنفی تھے اور حنفیوں کے لیڈر تھے، انجمن نعمانیہ وغیرہ کے سرگرم کارکن تھے اس لئے مذہبی لحاظ سے تعصّب رکھتے تھے مگر جب کبھی غیر احمدیوں کی مجالس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر کوئی حملہ کیا جاتا تو وہ پُرزور تردید کرتے اور کہتے کہ عقائد کا معاملہ الگ ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے اخلاق ایسے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اخلاق کے لحاظ سے میں نے ایسے ایسے مواقع پر ان کی آزمائش کی ہے کہ کوئی مولوی وہاں نہیں کھڑا ہوسکتا تھا جس مقام پر کہ آپ کھڑے تھے۔ اب دیکھو! ادھر گواہ کے ذلیل ہونے کا الہام ہے، اُدھر اُس کی گواہی آپ کو مجرم بناتی ہے مگر جو بات اس کی پوزیشن کو گرانے والی ہے وہ آپ پوچھنے ہی نہیں دیتے لیکن جس خدا نے قبل از وقت مولوی محمد حسین صاحب کی ذلّت کی خبر آپ کو دی تھی اس نے

ایک طرف تو آپ کے اخلاق دکھا کر آپ کی عزت قائم کی اور دوسری طرف غیر معمولی سامان پیدا کر کے مولوی صاحب کو بھی ذلیل کرا دیا۔ اور یہ اس طرح ہؤا کہ وہی ڈپٹی کمشنر جو پہلے سخت مخالف تھا اس نے جونہی آپ کی شکل دیکھی اس کے دل کی کیفیت بدل گئی اور باوجود اس کے کہ آپ ملزم کی حیثیت میں اس کے سامنے پیش ہوئے تھے اس نے کرسی منگوا کر اپنے ساتھ بچھوائی اور اس پر آپ کو بٹھایا۔ جب مولوی محمد حسین صاحب گواہی کیلئے آئے تو چونکہ وہ اس امید میں آئے تھے کہ شاید آپ کے ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی یا کم سے کم آپ کو ذلت کے ساتھ کھڑا کیا گیا ہوگا جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مجسٹریٹ نے اپنے ساتھ کرسی پر بٹھایا ہؤا ہے تو وہ غصہ سے مغلوب ہو گئے اور جھٹ مطالبہ کیا کہ مجھے بھی کرسی دی جائے۔ اِس پر عدالت نے کہا کہ نہیں آپ کا کوئی حق نہیں کہ آپ کو کرسی ملے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مَیں معزز خاندان سے ہوں اور گورنر صاحب سے ملاقات کے وقت بھی مجھے کرسی ملتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا کہ ملاقات کے وقت تو چوہڑے کو بھی کرسی ملتی ہے مگر یہ عدالت ہے مرزا صاحب کا خاندان رئیس خاندان ہے ان کا معاملہ اور ہے۔ مولوی صاحب اس پر بھی باز نہ آئے اور کہا کہ نہیں مجھے ضرور کرسی ملنی چاہئے مَیں اہلحدیث کا ایک ایڈووکیٹ ہوں۔ اِس پر ڈپٹی کمشنر کو طیش آ گیا اور اس نے کہا کہ بک بک مت کر، پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔ مولوی صاحب جب گواہی دے کر باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک کرسی پڑی تھی اُس پر بیٹھ گئے کہ لوگ سمجھیں کہ شاید اندر بھی کرسی پر ہی بیٹھے تھے مگر نوکر ہمیشہ آقا کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں۔ چپڑاسی نے جب دیکھا کہ صاحب ناراض ہیں تو اس خیال سے کہ برآمدہ میں کرسی پر بیٹھا دیکھ کر مجھے ناراض نہ ہوں آ کر کہنے لگا میاں! اُٹھو! کرسی خالی کر دو۔ وہاں سے اٹھ کر وہ باہر آئے اور ایک چادر بچھی ہوئی تھی اُس پر بیٹھ گئے اور خیال کیا کہ چلو اتنی عزت ہی سہی مگر چادر والے نے نیچے سے چادر کھینچتے ہوئے کہا کہ اُٹھو! میری چادر چھوڑ دو جو عیسائیوں سے مل کر ایک مسلمان کے خلاف جھوٹی گواہی دینے آیا ہو اُسے بٹھا کر میں اپنی چادر پلید نہیں کرا سکتا اور اس طرح ذلّت پر ذلّت ہوتی چلی گئی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے آپ کی عزت قائم ہوئی۔ اس کے بِالمقابل ہماری جماعت کے کتنے دوست ہیں جو غصہ کے موقع پر اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کو دیکھو کہ ایسے شدید دشمن کے صحیح واقعات سے بھی اس کی تذلیل گوارا نہیں کرتے مگر ہمارے دوست جوش میں آکر گالیاں دینے بلکہ مارنے پیٹنے لگ جاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ

رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

پس ہماری جماعت کو ایک طرف تو یہ اعلیٰ اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں اور دوسری طرف بدی سے پوری پوری نفرت پیدا کرنی چاہئے ایسی ہی نفرت جیسی حضرت رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دکھائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی یہ دونوں نظارے پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن ایک سمویا ہوُا انسان ہوتا ہے۔ میں اس موقع پر غیرت کی ایک مثال بھی بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ لاہور کے ریلوے سٹیشن پر تھے کہ پنڈت لیکھرام بھی وہاں آ گئے اور آپ کو سلام کیا۔ اُس وقت اُن کی شُہرت آریہ لوگوں میں آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینے کی وجہ سے خوب ہو چکی تھی اور وہ آریوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا تو حضور کے ساتھ جو خدام تھے انہوں نے سمجھا کہ شاید آپ نے دیکھا نہیں اس لئے عرض کیا کہ حضور پنڈت لیکھرام سلام کرتے ہیں مگر آپ خاموش رہے۔ پنڈت لیکھرام نے بھی اس خیال سے کہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں دوسری طرف ہو کر پھر سلام کیا۔ پھر بھی آپ نے جواب نہ دیا۔ اس پر آپ کے ہمراہی جو شاید فخر محسوس کر رہے تھے کہ آریوں کا لیڈر آپ کو سلام کر رہا ہے پھر انہوں نے آپ کو توجہ دلائی کہ حضور پنڈت لیکھرام جی آپ کو سلام کر رہے ہیں۔ اِس پر آپ نے جوش سے فرمایا کہ کیا انہیں شرم نہیں آتی کہ آقا کو تو گالیاں دیتے ہیں اور غلام کو سلام کہتے ہیں۔ غرض آپ کے اندر ایک طرف تو بے انتہاء غیرت تھی اور دوسری طرف بے انتہاء رحم اور عفو تھا۔ غیرت تھی تو اِس قدر کہ ایک مشہور لیڈر کا سلام تک لینے کو آپ تیار نہ ہوئے اور رحم تھا تو اتنا کہ ایک شدید مخالف کی ذلّت بھی پسند نہیں کرتے۔ پس یہ اخلاق ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہم کو سکھائے اور جنہیں زندہ رکھنے کی کوشش ہماری جماعت کو کرنی چاہئے۔

یاد رکھو کہ جو شخص اپنی اولاد کو نیک اخلاق نہیں سکھاتا وہ نہ صرف یہ کہ اپنی اولاد سے دشمنی

کرتا ہے بلکہ سلسلہ سے بھی دشمنی کرتا ہے، آنحضرت ﷺ سے دشمنی کرتا ہے اور خدا سے دشمنی کرتا ہے۔ مجھے بعض لوگوں نے خطوط لکھے ہیں کہ آپ اعمال کی اصلاح کے متعلق خطبات پڑھ رہے تھے تو بعض نوجوانوں نے داڑھیاں رکھ لی تھیں مگر اِدھر آپ نے خطبات ختم کئے اُدھر اُن کی داڑھیاں غائب ہوگئیں۔ اب بتاؤ یہ کونسا وعظ ہے جو میں ہر وقت ہی کرتا رہوں اور جس وقت اسے بس کروں اُسی وقت عمل بھی بس ہو جائے۔ بھلا یہ طاقت کس میں ہے کہ روز ہی داڑھی پر لیکچر دیتا رہے۔ مؤمن کیلئے تو اشارہ کافی ہوتا ہے وہ جب صداقت کی بات سن لیتا ہے تو اس کے پیچھے چل پڑتا ہے اور دوبارہ نہیں کہلواتا۔ اگر میں اس طرح لیکچر دیتا رہوں کہ سلسلہ بند ہی نہ ہو تو ہزاروں نیکیاں ہیں ان پر وعظ کیلئے اتنے دن کہاں سے لاؤں۔

حضرت خلیفہ اوّل کے پاس ایک مریض آیا اور اس نے ایک سوال کیا۔ یہاں بچے بیٹھے ہیں اس لئے میں وہ سوال تو بیان نہیں کرتا مگر اس نے کہا کہ کوئی ایسی دوائی مل جائے کہ میں فلاں کام ۴۸، ۵۰ گھنٹے تک کرسکوں۔ آپ نے فرمایا احمق خدا نے تو ۲۴ گھنٹے بنائے ہیں میں تیرے لئے پچاس گھنٹے کہاں سے لاؤں۔ تو خدا نے ہفتہ کے سات دن مقرر کئے ہیں جن میں سے ایک دن جمعہ ہے جس میں خطبہ پڑھا جاسکتا ہے۔ ادھر ہزاروں نیکیاں ہیں میں ان سب پر روز خطبہ کیسے پڑھ سکتا ہوں۔ جو لوگ وعظ سن کر عمل کرتے ہیں اور پھر فوراً ہی چھوڑ دیتے ہیں ان کی مثال تو اس کھیل کی سی ہے جسے ''جیک ان دی بکس'' کہتے ہیں۔ ایک بکس کے اندر لچکدار گڈا ہوتا ہے جب ڈھکنا بند کیا جائے تو وہ بھی اندر چلا جاتا ہے مگر جب ڈھکنا کھولا جائے تو وہ پھر نمودار ہو جاتا ہے اسی طرح میں وعظ کرتا ہوں تو ان لوگوں کی داڑھی نکل آتی ہے اور بس کرتا ہوں تو پھر اندر چلی جاتی ہے پس اس داڑھی کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ خدا نے کسی کو اتنا وقت نہیں دیا کہ ایسا وعظ کرسکے اصل چیز یہی ہے کہ انسان مؤمن بنے پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کشمکش اسی وقت تک کیلئے ہے جب تک ایمان نہ ہو۔

مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جو صاحب الہام بزرگ تھے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور اپنی اولاد کی اس سے محرومی کی خبر بھی الہام کے ذریعہ دی تھی ایک دفعہ لوگ ایک بڑے حنفی مولوی کو جو خود بھی نیک تھا آپ سے بحث کرنے کیلئے لائے اور کہا کہ حنفی مولوی

صاحب آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایا اگر نیت بخیر باشد۔حنفی مولوی بھی نیک تھا وہیں خاموش ہو کر چل دیا۔لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ میری نیت نیک نہیں تھی کیونکہ فضول بحث کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔پس نیت اگر نیک ہو تو وعظوں کی حاجت نہیں رہتی۔قرآن کریم میں ہے کہ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [۱۵] یعنی تمہارے دلوں میں بھی نشان موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں۔پس ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت محسوس کرے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑی ذمہ داری ڈالی ہے انسان کے اندر کمزوریاں خواہ پہاڑ کے برابر ہوں وہ اگر چھوڑنے کا ارادہ کرلے تو کچھ مشکل نہیں۔حضرت مسیح علیہ السلام کا مشہور مقولہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو تم پہاڑ کو ان کی جگہوں سے ہٹا سکتے ہو۔اس کا مطلب یہی ہے کہ گناہ خواہ پہاڑ کے برابر ہوں انسان کے اندر ایمان اگر رتی کے برابر بھی پیدا ہو جائے تو وہ ان پہاڑوں کو اُڑا سکتا ہے۔مؤمن جس دن ارادہ کرلے اس کے رستہ میں کوئی روک نہیں رہتی۔

میں بتا چکا ہوں کہ ان خطبات کا ایک حصہ تحریک جدید کا دوسرا حصہ ہے جو آئندہ کبھی بیان کروں گا اس لئے میں اب بھی اس بارہ میں کچھ نہیں کہتا ہاں اِس وقت یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوست اپنی اولادوں کی اور جماعت کے دوسرے نوجوانوں کی اصلاح کریں۔جھوٹ، چوری، دغا، فریب، دھوکا، بدمعاملگی، غیبت وغیرہ بدعادات ترک کردیں حتّٰی کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے والا محسوس کرے کہ یہ بڑے اچھے لوگ ہیں اور اگر کوئی ان کے پاس کروڑوں روپیہ بھی رکھ دے تو سمجھے کہ بالکل محفوظ ہے کیونکہ جس کے پاس رکھا ہے وہ احمدی ہے اور اگر دوست اپنے اندر ایسی تبدیلیاں پیدا کرلیں تو تحریک جدید کے دوسرے حصہ کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی سارا کام ہو جاتا ہے۔

اچھی طرح یاد رکھو کہ اِس نعمت کے دوبارہ آنے میں تیرہ سَو سال کا عرصہ لگا ہے اور اگر ہم نے اس کی قدر نہ کی اور پھر تیرہ سَو سال پر یہ جا پڑی تو اُس وقت تک آنے والی تمام نسلوں کی لعنتیں ہم پر پڑتی رہیں گی اس لئے کوشش کرو کہ اپنی تمام نیکیاں اپنی اولادوں کو دو اور پھر وہ آگے دیں اور وہ آگے اپنی اولادوں کو دیں اور یہ امانت اتنے لمبے عرصہ تک محفوظ چلی جائے کہ ہزاروں

سالوں تک ہمیں اِس کا ثواب ملتا جائے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو نیکی کسی شخص کے ذریعہ سے قائم ہو وہ جب تک دنیا میں قائم رہے اور جتنے لوگ اسے اختیار کرتے جائیں ان سب کا ثواب اُس شخص کے نام لکھا جاتا ہے۔ پس جو بدلہ ملتا ہے وہ بھی بڑا ہے اور امانت بھی اپنی ذات میں بہت بڑی ہے اور اتنی بڑی چیزوں کے ہوتے ہوئے جو فائدہ نہیں اُٹھاتا اُسے نہ کوئی خطبہ فائدہ دے سکتا ہے اور نہ وعظ اور اُس کے متعلق یہی کہنا پڑتا ہے کہ یا تو وہ شقی ازلی ہے اور یا پاگل۔

(الفضل ۲۶ /اگست ۱۹۳۶ء)

۱؎ الذّٰریٰت:۵۷ ۲؎ القدر:۴

۳؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ (الخ)

۴؎ سیرت ابن ھشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۵؎ اسد الغابۃ جلد ۳ صفحہ ۲۲۱۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۶؎ آل عمران:۱۴۵

۷؎ تا ۹؎ بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ و وفاتہٖ

۱۰؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۱۱؎ الانعام:۳۳ ۱۲؎ المائدۃ:۳ ۱۳؎ التحریم:۷

۱۴؎ مسلم کتاب الحدود باب قَطع السَّارِقِ الشَّرِیْفِ

۱۵؎ الذّٰریٰت:۲۲